Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بس شجاع آباد سے ہو کر جاتی تھی۔ جب وہاں پہ جا کر رُکی تو اعجاز نے اُٹھنے کے لئے مُتعدّد بار پاؤں پہ بدن کا بوجھ ڈالا اور ہٹا لیا، ڈالا اور ہٹا لیا، یہاں تک کہ بس چل پڑی۔ جوں جوں بس چلتی جاتی تھی اعجاز کی ٹانگوں کی طاقت زائل ہوتی جاتی تھی، جیسے اُن کی جان نِکلتی جا رہی ہو۔ اگر اُس وقت کوئی پُوچھتا کہ کہاں جا رہے ہو، کیا کرنے جا رہے ہو، تو صریحاً وہ اِس کا کوئی جواب نہ دے پاتا۔ ایک اَن دیکھی، اَن جانی قوت تھی جس نے اُس کا رُخ متعین کر رکھا تھا۔ ساتھ ہی، دِل کے دبیز پردوں کے اَندر اُسے اِس بات کا علم بھی تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔

بس رُکی تو وہ اُتر پڑا۔ ڈرائیور کو رُکنے کے لِئے اُسی نے کہا تھا کیونکہ یہ بس کا سٹاپ نہ تھا۔ دیر تک وہ سڑک سے ذرا ہٹ کر ایک اَندھیرے درخت کے نیچے کھڑا رہا۔ رات پڑ چکی تھی۔ خزاں کے موسم کا آسمان اِس قدر شفاف تھا کہ چاندنی کی دھنک سے باہر ستارے اَپنے حجم سے بڑے دِکھائی دے رہے تھے۔ تین چار کھیت چھوڑ کر بھٹے کی چمنی دِکھائی دے رہی تھی۔ اعجاز نے رُک رُک کر کچی سڑک پہ قدم رکھا جو بھٹے کو جاتی تھی۔ سڑک پر لمبے لمبے گہرے نشان تھے جو بارشوں کے موسم میں بھاری گڈوں کے پہیوں سے بن گئے تھے اَور دُھوپ میں سُوکھ چکے تھے۔ سڑک ختم ہُوئی تو اعجاز ایک پُرانے پیپل کے پیڑ کے نیچے رُک کر مزدُوروں کے گھروندوں کو دیکھنے لگا۔ بے کواڑ دروازوں پر ٹانوں اَور پھٹے پُرانے کپڑوں کے پردے لٹک رہے تھے۔ جن کے سُوراخوں سے اَندر جلتے ہُوئے تیل کے دیئے یا لالٹینیں نظر آ رہی تھیں۔ ارشاد اَور کنیز کے دروازے پر ٹاٹ، جو دِن میں دہلیز پہ گرا پڑا تھا، دوبارہ اَپنی جگہ پہ کیلوں کی مدد سے لٹکا دیا گیا تھا۔ ٹاٹ کی حالت ایسی خستہ تھی کہ بمشکل تین چوتھائی دروازے کو ڈھکتا تھا۔ اِس کے کٹے پھٹے کناروں سے گھروندے کے اَندر ایک چھوٹی سی لالٹین دیوار پہ لٹکی دِکھائی دے رہی تھی۔ اعجاز ہَولے ہَولے قدم رکھتا ہُوا دروازے کے پاس جا کھڑا ہُوا۔ اَندر سے ہانڈی کی بُو اُٹھ رہی تھی اَور بچّے کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ بیچ بیچ میں کنیز نرم لہجے میں ہُوں ہاں کر رہی تھی۔ برتنوں کا ہلکا سا کھڑاک تھا۔ اعجاز اپنا دَھک دَھک کرتا ہُوا دِل سنبھالے کھڑا رہا۔ اِتنے میں دو گھر چھوڑ کر ایک دروازے کا پردہ اُٹھا اور دو آدمی گھروندے سے نِکلے۔ اعجاز اَپنی جگہ سے کھسک کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ دونوں آدمی تیز تیز قدم اُٹھاتے ہُوئے بھٹے کی جانب چلے گئے،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیسے اُن کے دِل میں کوئی خوف ہو۔ اعجاز دیوار سے الگ ہوا تو اُس کا پیر ایک مین سے ڈبے سے جا ٹکرایا۔ آواز سُن کر کنیز ہاتھ میں لالٹین لیے اُٹھی اور ٹاٹ کا پردہ اُٹھا کر جھانکنے لگی۔ اعجاز اپنا بدن سیدھا کر کے وہاں سے چل پڑا، یُوں جیسے اپنے رستے پہ جا رہا ہو۔ کنیز اُسے پہچان کر بول اُٹھی، "ملک جی، خیر سے آئے ہو؟"

"اِدھر سے گزر رہا تھا،" اعجاز لہجے کو قابو میں رکھ کر بولا، "سوچا کہ دیکھتا جاؤں، ملک رشید سے ملاقات ہو جائے تو بات کروں۔"

"خُدا تمہارا بھلا کرے،" کنیز بولی۔ وہ جلدی سے مُڑی اور گھروندے کے اندر چلی گئی۔ وہاں اُس نے وہ بچگانہ سی لالٹین دوبارہ دیوار پر لٹکا دی۔ "لیٹ جا،" وہ جھڑک کر بچے سے بولی، "رُوں رُوں، رُوں رُوں، میری جان کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ بانہہ پر سر رکھ کے سو جا۔"

کنیز ٹاٹ اُٹھا کر باہر نِکل آئی۔ اُس کے باہر آنے سے پہلے ہی اعجاز آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہُوا چل پڑا تھا۔ کنیز اُس کے ساتھ چال مِلا کر ایک قدم پیچھے چلنے لگی۔

"کیا کھا رہی ہو؟" اعجاز نے اُسے دیکھ کر پُوچھا۔

"باجرے کی روٹی۔" کنیز نے کہا اور روٹی اعجاز کی جانب بڑھائی۔ اعجاز روٹی سے ایک ٹکڑا توڑ کر کھانے لگا۔

"ٹھیکیدار اِس وقت گھر چلے جاتے ہیں،" کنیز بولی، "جمعدار اِدھر رہتا ہے۔ بھٹے کے پیچھے اُس کا گھر ہے۔"

"جمعدار کون ہے؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"اپنی طرح کا مزدُور ہی ہوتا ہے جی، ہاتھ پیر کا تکڑا ہوتا ہے، ٹھیکیداروں کے مُنہ لگ جاتا ہے۔ اُسے ہمارے اُوپر تھانیدار لگا دیتے ہیں۔"

اب وہ درختوں کے سائے سے نِکل کر چاندنی میں آ گئے تھے۔ پکی سڑک کے دونوں طرف چارے کے کھیت تھے جو آدھے پونے کاٹے جا چکے تھے۔ اب مجھے، اعجاز نے سوچا، اپنے ہاتھ سے کاشت کرنی پڑے گی۔ اُس نے مڑ کر کنیز کو دیکھا جس کے نقش اب چاندنی میں نکھر آئے تھے۔

"ارشاد کہاں ہے؟" اعجاز نے پُوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نمرد سویا ہُوا ہے۔"

کنیز کے مُنہ سے یہ الفاظ سُن کر اعجاز کے بدن میں گویا جان پڑ گئی۔ اُس کا ایک ایک پٹھا اِضطراب سے پھڑکنے لگا۔ اب تک وہ سیدھا کنیز کو دیکھنے سے گریز کرتا رہا تھا۔ اچانک وہ پلٹ کر کھڑا ہو گیا اَور بے خوفی سے کنیز کے چہرے کو دیکھنے لگا۔ کنیز اپنا کھُلا ہُوا سادہ چہرہ اَور بے تکلف بدن لِئے کھڑی اعجاز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھے جا رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں کوئی اَجنبیت نہ تھی، جیسے کہ وہ اعجاز کے اَن کہے پیغام کو پڑھ کر قبول کر رہی ہو۔ مزید کوئی لفظ بولے بغیر، دونوں ایک ساتھ سڑک کو چھوڑ کر چارے کے کھیت میں داخل ہُوئے۔ کھیت کے بیچ پہنچ کر اعجاز ایک مٹّی کی بنّی پر بیٹھ گیا۔ کنیز کچھ دیر کھڑی کھڑی نیچے بیٹھے ہُوئے اعجاز کے سَر کو دیکھتی رہی۔ اُس کے چہرے پر نہایت ہلکی سی، ملاحت آمیز مُسکراہٹ پھیلتی گئی۔ پھر وہ آہستہ سے اعجاز کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ اعجاز نے ایک بازو اُٹھا کر اُس کے شانوں کے گِرد رکھا۔ دُوسرا ہاتھ پھیلا کر وہ کنیز کے گال کو سہلانے اَور انگوٹھا اُس کے ہونٹوں پہ پھیرنے لگا۔ کنیز کھسک کر بنّی سے اُتری اَور چارے کے نرم پودوں کے اَندر سیدھی پُشت پہ لیٹ گئی۔ اعجاز نے گھٹنوں پہ اَپنے جسم کا بوجھ سنبھالا اَور جھُک کر دونوں ہاتھوں سے کنیز کے کندھوں کو گرفت میں لے لیا۔ کچھ دیر تک وہ اِسی طرح جھکا کنیز کے چہرے اَور بدن کو محویت سے دیکھتا رہا۔ پھر اُس کے چہرے سے رگڑ کھاتے ہُوئے چارے کے پتوں اَور گیلی مٹّی کی بُو اُس کی ناک میں چڑھی، جو آہستہ آہستہ کنیز کے پسینے کی ہلکی بُو سے مِل جُل گئی۔

چارے کی فصل کا سبز رنگ چاند کی روشنی میں ہلکا نیلا نظر آ رہا تھا۔ رات کا طویل و عریض سکُوت سارے جہاں پہ پھیلا تھا، جسے کبھی کبھی سڑک سے گزرتے ہُوئے تانگے میں جُتے ہُوئے گھوڑے کی ٹاپوں یا کسی بس کے انجن کی آواز عارضی طور پہ توڑ دیتی اَور پھر خاموشی کی چادر کھیتوں پہ چھا جاتی تھی۔ بھٹے کی بھدی سی پھیلی ہُوئی عمارت کسی آسیب زدہ مقبرے کی مانند ساکن کھڑی تھی۔ اعجاز الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ اُس نے دونوں ہاتھ مِل کر مٹّی اُتاری۔ اُس نے سَر جھکا کر دیکھا۔ چارے کے بستر پر کنیز کا نکھرا ہُوا، سیاہ بے مزاحمت جسم چمکیلا تھا۔ اُس کے کسی عضو میں حرکت نہ تھی، صِرف اُس کی آنکھیں کھلی تھیں جو پودوں کے سائے میں ہونے کے باوجُود اعجاز کو نظر آ رہی تھیں۔ اُس نے محسُوس کیا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُن آنکھوں میں مسرت، دُکھ، سُرور، درد یا کسی اَور مانُوس جذبے کی جھلک تک نہ تھی، صِرف ایک عمیق خاموشی کا عنصر تھا جو ٹپکا پڑتا تھا۔ بے زُبانی کا یہ خاصہ اعجاز نے کنیز کی آنکھوں میں دیکھا۔ دفعتاً اُس کے اَپنے اَندر کی مزاحمت جواب دے گئی۔ اُسے احساس ہُوا کہ جیسے اُس کے ذہن کا وہ بھاری پتھر ریزہ ریزہ ہو کر اُس کی آنکھوں، کانوں اَور دُوسرے مساموں کے رستے بہہ نِکلا ہے۔

"میں برخاست ہو گیا ہوں،" وہ بے ساختہ بولا۔

"ہیں؟" کنیز نے لیٹے لیٹے پُوچھا۔

"سکُول کی نوکری چھُٹ گئی ہے۔"

"پڑھ پڑھا بیٹھے ہو، فِکر کیوں کرتے ہو جی۔"

کنیز کی بے پروا آواز اُس کے کانوں میں آئی تو یک دم اُس کی بلبلاہٹ سرد پڑ گئی۔ "فِکر تو ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "شرمندگی کی بات ہے۔"

"شرم کس بات کی۔ عِزّت دار آدمی ہو، نوکری کی غلامی میں بھی کوئی عِزّت ہے؟"

"یہ بات تو دُرست ہے۔"

"میں تو پہلے دِن ہی تُمہاری آنکھ دیکھ کر پہچان گئی تھی، ملک جی۔"

"کیا پہچان گئی تھی؟"

"کہ تُمہارے دِل کو کوئی فِکر ہے۔"

کنیز نے اُٹھ کر اپنا لباس دُرست کیا اَور روندے ہُوئے نرم پودوں پر اعجاز کے برابر بیٹھ گئی۔ تین دِن کے اَندر پہلی بار اُس بھاری سیاہ پتھر کے جان لیوا بار سے اعجاز کا چھٹکارا ہُوا تھا۔ اُس کا دِل اَور دماغ دونوں اب بے بار تھے، جیسے ہوا میں اُڑتا ہُوا کوئی غبارہ ہو۔ وہ عورت جو اُس کی بات کے وزن کا اَندازہ بھی نہ کر سکتی تھی، اُس کے سامنے ہڑبڑا کر اپنا راز بیان کر دینے سے اعجاز نے گویا اَپنی قید سے نجات حاصل کر لی تھی۔ نجات کے ہلکے پن میں وہ ٹکٹکی باندھے کنیز کے چہرے کو تکے جا رہا تھا۔ مصائب کا مارا ہُوا یہ جسم، اعجاز نے سوچا، جو اب دسویں یا بیسویں یا پچاسویں بار نئے سِرے سے بے روزگار ہو رہا تھا، جس نے کہ کمال بے اعتنائی سے کہا تھا، "پڑھ پڑھا چکے ہو، فِکر کیوں کرتے ہو جی، جیسے کہ اُسے نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگے کا غم ہو نہ پیچھے کا، اُس کے لیئے اعجاز کے دِل میں ایک انوکھی چاہت پیدا ہوئی، ایک ایسی ہمسری کا احساس جس کا بدنوں کے ملاپ سے کوئی واسطہ نہ تھا۔

"تو نے اَور کس بات کی پہچان کی تھی،" اعجاز نے پہلی بار ہلکے پھلکے دل سے سوال کیا۔

کنیز ایک لحظہ اُسے تکنے کے بعد ہنس دی۔ "تمہاری آنکھ میں مرد کی نظر تھی۔"

اِتنی واردات گزرنے کے بعد بھی کنیز کی بات سُن کر اعجاز جھینپ گیا۔ "وہ کیسے؟"

"تم مجھے دیکھتے جاتے تھے اَور آنکھ نہیں جھپکتے تھے۔"

"تُو تو اُس وقت واویلا کر رہی تھی۔"

"اِس سے کیا ہوتا ہے،" وہ بولی، "عورت دُور سے ہی ایک نظر میں مرد کو پہچان جاتی ہے۔"

دونوں اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ اعجاز نے ہاتھوں سے جھٹک کر اَپنے کپڑے جھاڑے۔ وہ کھیت سے نِکل کر سڑک پر آ گئے۔

"بشیر نے تیرے ساتھ کیا بات کی ہے؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"کہتا ہے دُوسرے شہر میں بھٹے والے اُس کے واقف کار ہیں، اُدھر کام پر لگوا دے گا۔"

"اِس سے تیرا کیا فائیدہ ہو گا؟"

"غلامی سے جان چھُٹے گی۔ نہ پیشگی کی غلامی نہ مرد کی۔ مزدُوری کروں گی اَور اپنا خرچہ ٹور لُوں گی۔ کیوں، ٹھیک نہیں ملک جی؟"

اعجاز نے کچھ دیر رُک کر جواب دیا، "ٹھیک ہے۔ اچھا،" پھر اُس نے کہا، "اب چلتا ہوں۔"

"تمہاری بڑی مہربانی جی،" کنیز نے اُس سے کہا، "تمہاری بڑی مہربانی، خُدا تمہارا بھلا کرے۔"

اعجاز اُسے اپنے گھروندے کی جانب جاتے ہُوئے دیکھتا رہا۔ وہ اِس آزادی سے چھنی ہوتی جا رہی تھی جیسے اُسے اعجاز سے، بشیر سے، ٹھیکیدار سے یا دُنیا کی کسی اَور شئے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی اُمید کی توقع نہ ہو۔ اعجاز کے دماغ میں شام کا منظر، اَور پھر کنیز کے الفاظ، "تُمہاری بڑی مہربانی جی، خُدا تُمہارا بھلا کرے،" گھوم رہے تھے۔ اچانک اُس کے ذہن میں ایک بات بجلی کی مانند کوند گئی۔۔۔۔ کہ اِس ساری کارروائی کا کنیز کے ساتھ کسی قسم کا کوئی سرورکار نہ تھا، کہ یہ سارا دھندا محض اعجاز کے اَپنے روزگار اَور بیروزگاری کے چکّر کا تھا، جس سے اُس نے کنیز کے سہارے سے فراغت حاصل کی تھی۔ اُس وقت اعجاز کو پہلی بار اَپنے آپ سے نِکل کر دُنیا کے بیروزگاروں کی بے حرمتی کا احساس ہُوا۔ دِل میں ایک اتھاہ اُداسی لِئے وہ گھر کی جانب چل پڑا۔

رات بھیگ چلی تھی جب اعجاز گھر میں داخل ہُوا۔ نوزائیدہ جوڑے کے علاوہ سب جاگ رہے تھے۔ سکینہ بچوں کی چارپائی پر پائنتی کی جانب، سَر ہاتھ پہ اُٹھائے پہلو کے بل لیٹی تھی۔ اُس کی کمر اَور کولہوں کے خم دو روز کے اَندر ہی واضح ہونے شُروع ہو گئے تھے۔ برابر کی چارپائی پر دائی اُسی اَنداز سے لیٹی آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھی۔ صحن میں سرفراز ماسی کے ساتھ چارپائی پہ لیٹا آسمان کو تک رہا تھا۔ ماسی باہر سے اَپنی بیٹی اَور دائی کی گفتگو میں شامل تھی۔ اعجاز کو دیکھ کر سرفراز اُٹھ بیٹھا۔ اَندر دائی بھی چارپائی پہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ سکینہ نے پہلو پہ لیٹے لیٹے بدن کو اِدھر اُدھر کھسکا کر اَپنی نشست دُرست کی اَور مُنہ کا رُخ اعجاز کی جانب موڑ دیا۔ گھر میں قدم رکھتے ہی اعجاز کی حس نے اُسے بتا دیا کہ اُس کا راز افشا ہو گیا ہے۔ وہ جا کر سکینہ کے پاؤں کے پاس چارپائی کے کونے پر بیٹھ گیا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر سوتے ہُوئے بچوں میں سے ایک کے مُنہ سے کپڑا اُٹھا کر اُس کا چہرہ دیکھا۔ پھر اُس نے سکینہ سے کہا، "ابھی تک جاگ رہی ہو؟"

"اِتنی دیر سے آئے؟" سکینہ نے پُوچھا۔

"شہر چلا گیا تھا۔"

"کیا کرنے؟"

"ایک دوست کے ساتھ چلا گیا تھا۔"

"سکُول نہیں گئے،" سکینہ نے نیم سوالیہ اَنداز میں کہا، جیسے سوال کرنے کی بجائے کچھ بتا رہی ہو۔

"اونہوں،" اعجاز نے نفی میں سَر ہلا کر جواب دیا۔ اُس نے سرفراز کی جانب دیکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جو آنکھیں کھولے اُسے تکتا جا رہا تھا۔ "نوکری چھوڑ دی ہے،" وہ بولا۔

"کیوں؟"

"بس،" اعجاز بے خوفی سے سکینہ کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا، "جی نہیں لگتا تھا۔"

"واہ،" سکینہ نے کہا، "اِن بلونگڑوں کا کیا اچھا اِستقبال کیا ہے۔"

"اِن کی پیدائش سے پہلے استعفیٰ دے دیا تھا۔"

"جیسے تمھیں اِن کی کوئی خبر ہی نہیں تھی،" سکینہ طنز سے بولی۔ "نو مہینے تک آنکھوں پر کالی عینک لگا کر پھرتے رہے ہو؟"

اعجاز آہستہ سے ہنسا۔ اُس نے دُوسرے بچّے کے مُنہ سے چادر اُٹھا کر دیکھا۔ کچھ دیر تک سب خاموش بیٹھے رہے۔ پھر سکینہ نے پُوچھا۔

"روٹی کھا آئے ہو؟"

"نہیں،" وہ بولا۔

"بھوک لگی ہوگی۔"

"ہاں۔"

دروازے کے ساتھ ہی باہر بچھی چارپائی سے ماسی بولی، "گرم کر دیتی ہُوں۔"

"ماسی لیٹی رہو،" اعجاز نے کہا۔ "کھاؤں گا۔ بھوک بہت لگی ہے۔"

اُس کا کھانا ڈھکا ہُوا چنگیر میں رکھا تھا۔ وہ چنگیر اُٹھا کر صحن میں ذرا دور بچھی اپنی چارپائی پہ جا بیٹھا اور ٹھنڈی روٹی کو اِشتہاء سے چبا چبا کر کھانے لگا۔

"سکُول میں آج کیا ہُوا پھر؟" اُس نے سرفراز سے سرسری طور پُوچھا۔

"کچھ نہیں،" سرفراز نے جواب دیا۔

اعجاز کو مزید سوال کرنے کی ہمّت نہ ہوئی۔

"لالہ،" کچھ دیر بعد سرفراز بولا، "اب سکُول نہیں جاؤ گے؟"

"اونہوں،" اعجاز نے سر ہلا کر جواب دیا۔

جب اُس نے کھانا ختم کر لیا تو چنگیر چُولہے کے پاس رکھ کر نلکے پر کُلی کی۔ پھر وہ آ کر اپنی چارپائی پہ لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی اُس کی آنکھیں نیند سے بند ہونے لگیں۔ اِس طویل دن کے واقعات چھوٹے چھوٹے اُدھورے مناظر کی شکل میں اُس کی بند آنکھوں سے یکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد دیگرے گزرنے لگے، مگر نیند کی یلغار کے آگے غائب ہوتے گئے۔ شرمندگی کا ایک پردہ اُتر چُکا تھا۔ دُوسرے کو اُتار پھینکنے کی سعی میں اعجاز کو ایک عمُر کی ضرورت تھی۔

"دُوسرا سرہانہ لا دوں؟" ماسی نے پُوچھا، مگر اُسے کوئی جواب نہ ملا۔ اعجاز سو چکا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حِصّہ سوئم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باب 5

صُوبیدار میجر ریٹائرڈ جہان خان ان پڑھ تھا۔ اُس کے بیٹے عالم جہان نے آٹھویں درجے تک تعلیم حاصل کی تھی۔ انگریز حکومت کی دی ہُوئی چالیس مُربع غیر آباد زمین کے بدلے حاصل کی ہُوئی آٹھ مُربع زرعی اراضی کے بیچ ایک ڈیرے اور چند گھروں پہ مشتمل جس آبادی کی داغ بیل صُوبیدار جہان خان نے ڈالی تھی، اسے فی الحقیقت اِس کے بیٹے عالم جہان نے روز و شب کی محنت سے جہان آباد نامی گاؤں کی شکل دی تھی۔ صُوبیدار جہان خان اَپنی زیادہ تر ذہنی اَور جسمانی قوت جنگی مہمات میں صِرف کر چُکا تھا۔ جب اسے زندگی میں آرام کا موقعہ ملا تو مزارعوں کے دو چار کنبوں کی مدد سے بمشکل ایک تہائی رقبے پر کاشت شُروع کروا کے اسی پر قناعت کر کے بیٹھا رہا۔ عالم جہان جب جوان ہوا تو اِس نے زمینداری کا کاروبار اَپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مزید مزارعے لاکر آباد کرنے کے بعد وہ ایک آدھ سال کے اَندر تمام تر اراضی کو زیرِ کاشت لے آیا۔ اِس نے پُرانی طرز کے کچے ڈیرے کی جگہ پر اپنے خاندان کے لِئے دس بارہ کمروں کا پکا مکان تعمیر کرایا، مزارعوں کی رہائش کے لِئے کچے مکان بنوائے، ان کو گائے بھینسیں خرید کر دیں، نلکے لگوائے، مکانات کی تعداد بڑھنے کے ساتھ جو گلیاں وجُود میں آگئی تھیں ان کے بیچ پانی کے اخراج کے لِئے نالیاں نکلوائیں، کھاد کے ڈھیر اُٹھوائے اَور ان کے لِئے گھروں سے کُچھ دُور دو چار قطعہ زمین مختص کئے، بھینسوں کے نہانے کی خاطر آدھے ایکڑ میں ایک تالاب کی تشکیل کی، اَور یُوں جہان آباد کو ایک مکمل "چک" کی صورت کو پہنچایا۔ وقت کے ساتھ ساتھ عالم جہان کو تعلیم کی افادیت کا علم ہو چُکا تھا۔ اِس نے اَپنے بیٹے جہانگیر اعوان کو آٹھ برس کی عُمر میں ہی پڑھنے کو چیف کالج بھیج دیا، جہاں پہ جہانگیر سینئر کیمبرج تک تعلیم حاصل کرتا رہا، گو آخری اِمتحان میں کامیاب نہ ہو سکا اَور چھوڑ کر گھر واپس لوٹ آیا مگر اُس مشہور کالج میں قیام کے دوران صوبے کے تمام قابل حیثیت خاندانوں کے لڑکوں سے اِس کے تعلقات اُستوار ہو چُکے تھے۔ اِس کے علاوہ اُس کے اَندر اَپنی ذات میں ایک اَیسا اعتماد بھی آگیا تھا جو اُس کے باپ اَور دادا میں ناپید رہا تھا۔ عالم جہان کی وفات پر جہانگیر اعوان نے زندگی کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاروبار سنبھالا تو اُس کا دائرہ کار مزید وسیع ہوتا گیا۔ دیہات کے لوگوں کو دُنیا داری کے سلسلے میں صِرف دو جگہوں سے براہ راست واسطہ پڑتا تھا۔ ایک پٹواری کا دفتر اَور دُوسرے ضلع کچہری، جہاں فوجداری کے معاملات نبٹائے جاتے تھے۔ جہانگیر اعوان کے دِل میں ان دونوں جگہوں کا کوئی خَوف نہ تھا، نہ ہی اُسے وہاں گھوم پِھر کر لوگوں کے کام کروانے میں ہچکچاہٹ محسُوس ہوتی تھی۔ افسر مال سے لے کر قانُون گو، محکمہ انہار میں ضلع دار اَور کچہری میں تحصیل دار سے لے کر مجسٹریٹوں تک اُس کی شنوائی تھی۔ اِس طرح اُس کا اَثر رسُوخ جہان آباد کی حدود سے نِکل کر دُوسرے گاؤں اَور قصبوں تک پھیل گیا تھا۔ ان معاملات میں داخل ہو کر اسے سیاست کا چسکہ بھی لگ چُکا تھا۔ مقامی سیاست میں تین برس گزُارنے کے بعد وہ آخر صوبائی الیکشنوں کے موقع پر مسلم لیگ کا ٹکٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جاٹ برادری اَور اَپنے تعلقات کی بناء پر اِس نے الیکشن کی مہم سَر کی اَور حلقے سے صوبائی اسمبلی کا ممبر منتخب ہُوا۔ اب ملک جہانگیر اعوان ایم۔ ایل۔ اے علاقے کی بااثر شخصیتوں میں شمار ہوتا تھا۔

سن پچاس کی دہائی کے وسط تک یہ زمین نہری پانی سے سیراب ہوتی تھی اَور بہت قابل مٹی سمجھی جاتی تھی۔ یہاں گنے، گیہوں، مکی اَور باجرے کی کاشت ہوتی تھی اَور بھاری فصل اُترتی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ساٹھ ستر من فی ایکڑ گیہوں اُترتے دیکھ کر مشرقی پنجاب کے کِسان رشک کرتے تھے۔ پِھر جب ہندستان نے اپر باری دو آب کا پانی بند کر دیا تو راتوں رات یہ علاقہ بارانی رقبے میں تبدیل ہو گیا۔ کہیں کہیں پُرانے کنوئیں لگے تھے، کچُھ لوگوں نے نئے کنوئیں کھودے مگر بیلوں کی مدد سے کھینچا گیا پانی چند ایکڑ رقبے سے زیادہ کی پیاس بجھانے کے قابل نہ تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سرزمین کا نقشہ بدل گیا۔ میلوں تک پھیلی ہُوئی کالی مٹی اَور سرسبز کھیتوں والی زمین بھُورے رنگ اَور چھدری کمزور فصلوں کی شکل اختیار کر گئی جس میں کہیں کہیں سبزے کے پیوند لگے دِکھائی دیتے تھے۔ کِسانوں نے پہلی بار آسمان کی جانب دیکھنا شرُوع کر دیا تھا۔ بارش کی رحمت کے سب دعاگو رہتے تھے۔ اِس کے ساتھ ہی پیروں فقیروں کے اثر رسُوخ میں ترقی ہوئی۔ حِصّے پر کاشت کرنے والے غریب کِسان ہر چھوٹے بڑے مقامی پیر کے مزار پہ حاضری دینے اَور چڑھاوے چڑھانے لگے نتیجتاً گدّی نشینوں نے اراضی کے رقبے خریدنے شرُوع کر دیئے۔ کئی مزاروں پہ،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہاں پہلے ایک کچی سی قبر پہ سبز جھنڈی لہرایا کرتی تھی، چمکیلے گنبدوں والی عمارتیں بن گئیں، جن کی شان و شوکت مُریدں کے درمیان مزید عقیدت کا موجب بنی۔ ملک جہانگیر نے سن سینتالیس کے بٹوارے کے ساتھ ہی اَپنے لِئے دو فائیدہ مند کام کئے۔ ایک تو اِس نے ملک فلک شیر ری ہیبلی ٹیشن کمشنر کی مدد سے سِکھوں کے چھوڑے ہُوئے چھوٹے بڑے رقبوں پر قبضہ حاصل کر لیا۔ علاوہ اِس کے، مقامی مہاجنوں کے کوچ سے پیشتر اُن کے پاس گِروی شدہ اراضیوں کے کاغذات اَونی پونی قیمت ادا کر کے ہتھیا لِئے اَور کچُھ دیگر افسران کی معاونت سے، کچُھ دھونس دھاندلی کے ذریعے، رجسٹریاں کرا کے اُنہیں اَپنی قانُونی ملکیت کی حیثیت دلوالی۔ اِس طرح وہ اَپنی زمینداری کو آٹھ سے دس، اَور دس سے اُنیس مُربعوں تک پھَیلانے میں کامیاب ہو گیا۔ دُوسرے اِس نے لوئر باری دو آب کا پانی رُکنے کے ساتھ ہی حکومت سے قرضے حاصل کر کے ٹیوب ویل لگوائے اَور ٹریکٹر خرید کر مشینی کاشت شُروع کر دی تھی۔ گاؤں کے باہر اُس نے اَپنے لِئے ایک وسیع و عریض پکا ڈیرہ تعمیر کروا لیا تھا، جہاں پہ وہ اب جم کر بیٹھ گیا اَور اَپنے "علاقے" کی نگہداشت کرنے لگا تھا۔

جب جہانگیر کا منشی اعجاز کے لِئے بلاوے کا پیغام لے کر شجاع آباد پہنچا اس وقت سُورج سَر پر تھا اَور اعجاز صُبح کا نِکلا ابھی ابھی شہر سے لوٹا تھا۔ وہ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔

"ملک جہنگیر نے ٹھیکے والوں سے بات کی ہوگی۔" سکینہ نے خیال دوڑایا۔

"اس سے کِس نے کہا ہے؟"

"شاید ابے نے کہا ہو۔"

"چاچے کو کِس نے کہا بیچ میں ٹانگ اڑائے؟" اعجاز نے نوالہ چباتے ہُوئے سوال کیا۔

"مَیں نے بات کی تھی۔"

"تُو نے؟ تو کیوں دخل دیتی ہے خواہ مخواہ--- میں خود ٹھیکے والوں سے بات کرلوں گا۔"

"کرلوں گا، کرلوں گا۔ کب کرلو گے؟ اُدھر تنخواہ گئی، اِدھر دو بلونگڑے آ گئے ہیں۔ ان کا بھی کوئی خیال ہے کہ نہیں؟ دخل نہ دوں تو کیا کروں؟ روز سویرے شہر چلے جاتے ہو، خفت خواری کر کے واپس آجاتے ہو۔ اللہ جانے کِس کِس کو ملتے رہتے ہو۔ وہی یار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوست جنہوں نے نوکری گنوائی ہے یا کوئی نئے بن گئے ہیں۔ دخل نہ دو، دخل نہ دو، میری کیا حیثیت ہے۔ ایک ٹوٹنے کو ایک تھن سے لٹکایا ہے، دُوسرے کو دُوسرے تھن سے۔ نہ دِن کو چین نہ رات کو آرام۔"

"دودھ تو تیرا بکری کی طرح نِکلتا ہے۔" اعجاز ہنس کر بولا۔ "ٹوٹنے نہ پیں تو تیری شلوار بھی گیلی ہو جائے۔"

"سُوکھی شلوار میں مجھے کیا انعام مِلتا ہے جو گیلی سے نقصان ہو جائے گا۔" سکینہ تیزی سے بولی۔

اعجاز کو احساس تھا کہ بچّے ڈھائی ماہ کے ہو چلے ہیں اَور وہ سکینہ کے نزدیک تک نہ گیا تھا۔ وہ خاموشی سے سر جھکا کر کھانا کھاتا رہا اَور پھر اپنی نئی سائیکل پر سوار ہو کر جہان آباد کو روانہ ہو گیا۔

ایک وقت تھا کہ جہانگیر کے ڈیرے پر علاقے کے لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ پھر مارشل لاء لگ گیا تو ضرورت مندوں کی آمدورفت کم ہو گئی۔ اب جُوں جُوں وقت گزر رہا تھا اَور ماحول میں کچھ نہ کچھ آزادی آتی جارہی تھی، سیاست دان پینترے بدل بدل کر اَپنے چولہے گرم کرنے میں مصروف ہو گئے تھے، گو کانسٹی ٹیوشن یا الیکشن کے بارے میں ابھی کوئی ذکر نہ ہو رہا تھا۔ اعجاز جب پہنچا تو ڈیرے کے احاطے میں پندرہ بیس آدمی تین مختلف ٹولیوں میں چارپائیوں پہ بیٹھے حُقے گڑگڑا رہے تھے اَور کِسانوں کے دھیمے سُست لہجے میں باتیں کر رہے تھے۔ پیچھے متعدد کمرے ایک قطار میں بنے تھے۔ ایک کمرے میں جہانگیر کا دفتر تھا جہاں اِس کا ایک زمینوں کا منشی اَور ایک سیاسی منشی بیٹھتے تھے۔ سامنے کے تین کمرے جہانگیر نے اَپنے لِئے رکھے ہُوئے تھے جہاں وہ آنے والوں سے ملاقاتیں کرتا تھا۔ دو تین کمرے مہمان خانے کے لِئے مخصوص تھے۔ اعجاز کی اِس کے ساتھ ملاقات گو دوستی کی حد تک نہ تھی مگر جب بھی انتخابات وغیرہ کے دوران ضرورت پڑی، اعجاز نے برادری کے فرد ہونے کی حیثیت سے اِس کی مدد کی تھی۔ اعجاز نے کمرے میں قدم رکھا تو جہانگیر صوفے پر چار آدمیوں کے ہمراہ بیٹھا تھا۔ چاروں کے لباس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ علاقے کے معتبر لوگ ہیں۔ پانچوں آدمی سر جوڑے نیچی آواز میں کوئی گہری گفتگو کر رہے تھے۔ اعجاز کی آمد پر پانچوں نے سر اُٹھا کر اَیسے اُسے دیکھا گویا وہ اُن کی محفل میں مخل ہوا ہو۔ پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہانگیر نے سر ہلا کر سلام کا جواب دیا اور کچھ بولے بغیر ہاتھ اُٹھا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اعجاز دُوسری دیوار کے ساتھ بچھی کرسیوں میں سب سے آخر والی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ پانچوں آدمی دوبارہ سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے۔ اعجاز یہ کمرہ پہلے دیکھ چُکا تھا۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی سامنے بڑی سی میز نظر آتی تھی جس کے پیچھے قیمتی قسم کی کرسی رکھی تھی۔ عقب کی دیوار پر چند فریم شدہ تصویریں لٹکی تھیں۔ ان کے درمیان سب سے بڑے سائز میں ایک تصویر تھی جس میں جہانگیر ایک سابقہ وزیراعظم چوہدری محمد علی کے ساتھ کھڑا تھا۔ تصویروں کے علاوہ الیکشنوں کے چند پوسٹر بھی دیوار پر ٹیپ کی مدد سے چپکائے گئے تھے۔ دائیں جانب وہ صوفہ سیٹ رکھا تھا جس پہ پانچوں آدمی بیٹھے تھے، جس کا اصل کپڑا سفید چادر کے ڈھیلے غلافوں سے ڈھکا ہُوا تھا۔ بائیں دیوار کے ساتھ چند مِلی جُلی سیدھی پُشت والی اور آرام کرسیاں ایک قطار میں رکھی تھیں جن کا بید کئی جگہ پہ مسلسل استعمال سے اکھڑ چُکا تھا۔ اعجاز کئی مِنٹ تک بے خیالی سے ان جانی پہچانی تصویروں کو دیکھتا رہا جن میں ایک تصویر کے اندر اعجاز بھی جہانگیر اعوان کے ساتھ کھڑا تھا جب جہانگیر ان کے سکُول میں کھیلوں کا افتتاح کرنے کے لِئے مدّعو کیا گیا تھا۔ صوفے پر بیٹھے ہُوئے افراد مستقل سازشی لہجے میں کھسر پھسر کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک شخص برابر دُوسروں کی بات کاٹے جا رہا تھا۔ الفاظ اعجاز تک نہ پہنچ پا رہے تھے مگر آدمی کی حرکات سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بار بار ایک ہی بات کو دُہرائے جا رہا تھا۔ جیسے ہی اعجاز کو یہ احساس ہونا شُروع ہوا کہ اِن لوگوں کی یہ کانفرنس کبھی ختم نہ ہوگی، چاروں آدمی اپنی پگڑیاں سنبھالتے ہُوئے اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ جہانگیر اُٹھ کر ان کے ساتھ دروازے تک گیا۔ چند مِنٹ وہاں پہ رُک کر ان سب نے متعدد بار روانہ ہونے کے لِئے قدم بڑھائے اور پھر واپس آ کر جہانگیر سے بات شُروع کر دی جیسے گفتگو کے خاتمے سے مطمئن نہ ہُوں۔ اعجاز صبر سے دیکھتا رہا۔ آخر جہانگیر نے تین آدمیوں سے ہاتھ ملا کر اور چوتھے سے بغلگیر ہو کر انہیں رُخصت کیا۔

"آؤ جی، ملک صاحب! کیا حال چال ہیں۔" جہانگیر نے اعجاز سے مصافحہ کیا اور اِس کے ساتھ والی آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ اعجاز سے عُمر میں کئی سال بڑا تھا اور اپنے مخصوص انداز میں اعجاز کو کبھی ملک صاحب، کبھی بھائی اعجاز، کبھی صِرف اعجاز اور کبھی آپ، تُم اور تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرکے مخاطب کرتا تھا۔ جواب کا اِنتظار کئے بغیر وہ بولا۔ "میں تو اِن لوگوں کے جھگڑے چُکاتے چُکاتے تنگ آگیا ہُوں۔ کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ میں کِس کُتے کام میں پڑ گیا ہُوں۔ آپ سُنائیں کیا حال چال ہیں۔"

"اللہ کا کرم ہے، بھائی جہانگیر!" اعجاز نے جواب دیا۔

"آؤ جی! اُدھر آکر بیٹھو۔ یہاں دروازے کے پاس تو ہر آنے جانے والا دیکھتا ہوا جاتا ہے۔"

جہانگیر اُٹھ کر میز کے پیچھے اپنی کُرسی پر جا بیٹھا۔ اعجاز میز کی داہنی طرف کُرسی پہ بیٹھ چُکا تو اسے خیال آیا کہ یہ جگہ دروازے کے بالکل ہی سامنے تھی جہاں سے چارپائی پہ بیٹھے لوگ بھی دِکھائی دیتے تھے۔

"اللہ کا کرم تو ہر حال میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔" جہانگیر بولا۔ "یہ بتاؤ کہ گزُر گزُران کیسے ہو رہی ہے۔" پھر وہ جواب سنے بغیر آگے چل پڑا۔ "تُمہارے ٹھیکے والوں سے مَیں نے بات کرلی ہے۔"

اعجاز اِس کی جواب نہ سننے کی عادت سے واقف تھا، جلدی سے بولا۔ "آپ سے کِس نے کہا تھا؟"

"ہمیں آم کھانے سے غرض ہے یا درخت گننے سے؟ بھئی مجھ سے کِس نے کہا ہے، کِس نے نہیں کہا، اِس بات کو چھوڑو۔ بندے اچھے ہیں، بات مان گئے ہیں۔ جیسے جیسے کھیت خالی ہوتے جائیں گے تُمہارے حوالے کرتے جائیں گے ٹھیکے کا وقت پُورا ہونے کی تکرار نہیں کریں گے۔۔۔۔ اَور تُمہیں کیا چاہیے۔ تُم اَپنی مرضی سے زمین تیار کرو، جو دِل چاہے بیجو۔"

"چاچے احمد نے کہا تھا؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"پھر وہی بات، دیکھ اعجاز! تیری ایک عادت خراب ہے جس کی وجہ سے تو مار کھاتا ہے اَور وہ ضد کی عادت ہے۔ پہلے اسی کی خاطر تُو نے ایک عزت دار نوکری گنوائی ہے۔"

"اس میں ضِد کا کیا سوال تھا؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"بھائی اعجاز، مجُھے سارے معاملے کا علم ہے۔ تُمہارے کہے بغیر مَیں نے پوری کوشش کرکے دیکھ لی کہ نوکری رہ جائے مگر وقت خراب آیا ہے۔ ہم ڈسفنکٹ ہُوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیٹھے ہیں۔ ہیڈ ماسٹر تمہیں وارننگ بھی دے چکا تھا۔ تم پھر بھی اپنی دوستیاں نبھاتے رہے۔ تو بچّے کسی نہ کسی طرف سے تو مار کھانی ہی پڑتی ہے۔ اب تم پھر وہی کام کر رہے ہو۔"

"میں ضد نہیں کر رہا، بس پوچھ رہا ہوں، چاچے احمد نے۔۔۔"

"میں پوچھنے ووچھنے کی بات نہیں کر رہا۔" جہانگیر نے کہا۔ "دوسری بات کر رہا ہوں۔"

"دوسری بات؟"

"ملک حمید کے بھٹے والی بات۔"

اعجاز چونک کر اس کا منہ دیکھنے لگا۔ اِس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ جہانگیر اِس بات کا ذکر کرے گا۔

"میرا اِس قصے سے کوئی واسطہ نہیں۔" آخر اعجاز نے کہا۔

"اگر ہم نے پہلے تم سے بات نہیں کی تو اِس کا مطلب یہ نہیں ہے میرے بھائی کہ ہمیں اِس قصے کا علم نہیں۔ یہ میری جاب ہے کہ علاقے میں جو کچھ ہو رہا ہے اِس کی خبر رکھوں۔ مغلپورے کا بشیرا رائیں ملک حمید کی مصلّن کو نکال کر لے گیا ہے کہ نہیں؟"

"اس میں میرا کیا دخل ہے۔" اعجاز نے کہا۔

"تم میرے منہ سے ہی کہلوانا چاہتے ہو؟"

"مجھے تو آپ کی بات کی سمجھ نہیں آ رہی بھائی جہانگیر!" اعجاز کمزور سی آواز سے بولا۔

"تم روزانہ اِس مصلن سے ملنے جاتے ہو کہ نہیں؟" جہانگیر نے مضبوط آواز میں پوچھا۔

ایک لحظے کو اعجاز کے دِل میں آئی کہ انکار کر دے۔ مگر جہانگیر کے پُر اعتماد چہرے کے مقابل اِس کا ارادہ ڈھے گیا۔ وہ خاموش بیٹھا سر موڑ کر زمین پہ دیکھتا رہا۔

"اس کمّی کی بات نہیں بھائی اعجاز! آخر کو ہم سب مرد ہیں، اپنے وقت میں سب نے اپنے اپنے کسب کئے ہیں۔ خرابی بس ایک بات کی ہے۔"

اعجاز نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو جہانگیر نے بات جاری رکھی۔ "ہمیں خبر نہیں پہنچ رہی تھی کہ ارائیں نے اِس کو رکھا کہاں پر ہوا ہے۔ آخر تم ہی ہماری مدد کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئے۔"

"میں؟" اعجاز نے حیرت سے پُوچھا۔

"تُمہارا کھرا پکڑا گیا۔" جہانگیر عیاری سے مسکرا کر بولا۔ "ایک آدمی تُمہارے پیچھے لگا تو تُم بے خبری میں اسے سیدھا علی احمد شیخ کے گھر لے گئے۔"

"تم نے میرے پیچھے جاسوس چھوڑے ہیں؟" اعجاز نے غصّے سے کہا۔

جہانگیر نے اپنا سَر نفی میں اَور ساتھ ہی سیدھے ہاتھ کی اُنگلی دائیں اَور بائیں ہلائی اَور لمبا سا "اونہوں" کیا۔ پھر وہ اُنگلی سینے پہ رکھ کر بولا۔ "مَیں نے نہیں، ملک حمید نے، میرا اِس سے کوئی تعلق واسطہ نہیں۔ وہ تو میرے پاس تیری شکایت لے کر آیا تھا۔ مَیں نے اِس سے کہا دیکھ بھائی حمید! تو بھی بھائی برادری، اعجاز بھی بھائی برادری، جھگڑا نہیں ہونا چاہئے، بس اِس بات کا خیال کرنا، باقی جو تُمہاری مرضی ہو کرو۔ اِس کا کہنا ہے کہ مصلی نے عورت اَور بچّے کے نام پر پیشگی لے رکھی ہے۔"

"جھوٹ بکتا ہے۔" اعجاز اسی تیزی سے بولا۔

"ملک رجب علی! خُدا جنت نصیب کرے، شرم لحاظ والا آدمی تھا۔ لڑکے ذرا مُنہ زور ہیں۔ بھٹہ شُروع سے رجب علی کے لڑکوں کے ہاتھ میں ہے۔ اصل میں ملک حمید نے اسے اَپنی عزت کا سوال بنا لیا ہے۔ کہتا ہے یہ ایک غلط مثال ہے، اگر اسی طرح اِس کے چُوھڑے مصلی بھاگتے رہے تو بھٹے کا اللہ ہی حافظ ہے۔ سچ پُوچھو تو اِس کی بات میری بھی سمجھ میں آتی ہے۔ تُم بتاؤ، اگر تُمہارے واہک مزارعے کھڑی فصل بیچ کر رقم جیب میں ڈالیں اَور رفو چکر ہو جائیں تو تُمہیں کیسا لگے گا؟ مگر مَیں نے کہا نا کہ میرا اِس کے ساتھ کوئی تعلق واسطہ نہیں، بھٹے والے جانیں یا مصلی جانیں۔ میں تو تُم سے دُوسری بات کرنا چاہتا ہُوں۔" اعجاز خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

"یہ بشیر ارائیں کا یار احمد علی شیخ!" جہانگیر نے کہا۔ "اس کے بارے میں تُمہاری کیا معلومات ہیں؟"

اب یہ طے ہو چُکا تھا کہ اعجاز کنیز کو ملنے وہاں جاتا ہے، اُس کے انکار، احتجاج یا غصّے کی کوئی بنیاد نہ رہی تھی۔ اعجاز کو محسُوس ہوا جیسے ایک بوجھ اُس کے دِل سے اُتر گیا ہو۔

"میری اُس سے معمولی واقفیت ہے۔" اُس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں تمہیں بتاتا ہوں۔ یہ جو شیخ بنا ہوا ہے، یہ سب میراثی اور جولاہے ہیں۔ کوئی شیخ بن گیا ہے، کوئی انصاری۔ ارائیوں کو بھی اب جاکر عزت نصیب ہوئی ہے، یہ سبزیاں بیچنے والے ہمارے سامنے زمین پر بیٹھتے تھے۔ خیر، یہ دوسری بات ہے۔ یہ احمد علی کسان کمیٹی کا سرگرم کارکن ہے۔ یہ کہتے ہیں ہم کسانوں کے حقوق کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہ میراثی اور جولاہے کسانوں کے حقوق کو کیا جانیں؟ کسان صرف جاٹ کی ذات ہوتی ہے۔ خیر، یہ دوسری بات ہے۔ تمہیں پتا ہے کہ یہ احمد علی نام نہاد کسان کمیٹی کا ورکر ہے؟"

"کبھی اس سے بات نہیں ہوئی، مگر میں نے سنا ہوا ہے۔"

"یہ ٹربل میکر ہیں۔ سب ارائیں میراثی تمہارے دوست ٹربل میکر ہیں مگر اب میں تمہیں ایک راز کی بات بتاتا ہوں۔ غور سے سنو، میں چاہتا ہوں کہ تم ان لوگوں کے ساتھ اپنا رابطہ قائم رکھو۔"

اعجاز متجسس نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"ٹربل میکرز کی اپنی افادیت ہوتی ہے۔ زیادہ گھی شکر ہونے کی ضرورت نہیں، مگر اپنا رسوخ رکھو۔ کانسٹی ٹیوشن کی کوئی نئی شکل جلد یا بدیر آئے گی۔ ہو سکتا ہے ان لوگوں کو کچھ نہ کچھ سہولتیں مل جائیں۔"

"اگر یہ ٹربل میکر ہیں تو آپ کو ان سے کیا فائدہ ہوگا؟" اعجاز نے پوچھا۔

"بھولے بادشاہ!" جہانگیر کہنیاں میز پر رکھ کر آگے جھکا اور اعجاز کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔ "آج میں تجھے سیاست کے ایک دو سبق دیتا ہوں۔ سن، آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بھاگنے دوڑنے، جلسے جلوس کرنے، اشتہار بانٹنے اور نعرے لگانے سے زندگی کا کھیل بدل جاتا ہے۔ اسی بھولپن میں آپ مارے جاتے ہیں، دنیا کسی دوسری طرف نکل جاتی ہے۔ سیاست کے دو سبق ذہن نشین کرو۔ پہلا سبق مشہور کہاوت کے مطابق یہ کہ اپنے سارے انڈے ایک ٹوکری میں مت ڈالو۔ مطلب یہ کہ کچھ بھائی برادری سرکار کے ساتھ رکھو، کچھ اپوزیشن کے ساتھ، تاکہ جس کسی کا راج ہو، حکومت اپنے ہی ہاتھ میں رہے۔ دوسری بات۔" جہانگیر ہاتھ پھیلا کر انگوٹھا پہلی دو انگلیوں پر ملنے لگا۔ "یہ ہے؟" وہ بولا، پھر ہاتھ پہلو پہ لے جاکر کرتے کی جیب کو تھپتھپایا۔ "اور یہ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یعنی؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"پیسہ، جناب! پیسہ--- وہ وقت گیا جب ہائی خیالات کا دَور دورہ تھا۔ بارہ سال بعد زمانہ پلٹا کھاتا ہے نا؟--- ملک کو بنے ہُوئے کتنے سال ہو گئے ہیں؟"

"بارہ۔"

"تو زمانہ پلٹ گیا آ آ--" وہ ہاتھ ہوا میں بلند کر کے بولا جیسے کہہ رہا ہو، چڑیاں پھُرر سے اُڑ گئیں--- "اب جس کی جیب میں پیسہ، اِس کے ہاتھ میں باگ جیسے جیسے وقت گزُرے گا، سیاست ان کے ہاتھ میں آئے گی جن کی جیب مضبوط ہو گی۔ پھر یہ تو آپ کو پتا ہی ہے کہ پیسے سے پیسہ بنتا ہے۔ غریب لوگ ملک کی دولت میں اضافہ کِس طرح کر سکتے ہیں؟ یہ کام صِرف وہی کر سکتا ہے جسے دولت کمانے کا گُر آتا ہے۔ وہ ملک کو دولت مند بنائے گا تو غریبوں کی زندگی بھی آسان ہو گی۔ تُم تو پڑھے لکھے انسان ہو بھائی جان! ہماری برادری میں تعلیم کی ازحد کمی ہے، اسی لِئے میرے دِل میں تُمہارا درجہ اُونچا ہے۔ ذرا دُنیا پر نظر دوڑاؤ، جتنے بھی امیر ملک ہیں کیا وہ جلسے جلوسوں سے بنے ہیں؟ جی نہیں، وہ اِن لوگوں سے بنے ہیں جنہوں نے پیسہ لگا کر کاریں اَور ریل کے انجن اَور ہوائی جہاز مینوفیکچر کئے ہیں۔ ہر ایک کی اَپنے اَپنے وقت پر ضرورت ہوتی ہے۔ ایک زمانہ گیا، دُوسرا آگیا۔ کیا خیال ہے؟"

"ان لوگوں کے ساتھ رابطہ رکھنے سے آپ کا پیسہ کیسے بنے گا؟"

"ہاں! اب آئے نا مُدّعے کی بات پر، یہاں پتہ چلتا ہے کہ پڑھائی لکھائی کی سوجھ بوجھ ایک بات ہے اَور سیاست کی جان پہچان دُوسری بات ہے۔ اب ذرا کان لگا کر سنو کہ کیا کچُھ ہو رہا ہے۔ ایوب خان بارڈر پر سِکھوں کی زمینیں سابقہ فوجیوں کو الاٹ کر رہا ہے۔ کِسان کمیٹی اَور کِسان تنظیم نے اس کے خلاف تحریک چلائی ہے (جو واہوے، اوہو کھاوے) یہ نعرہ آپ نے بھی سُنا ہو گا۔"

"سُنا ہے۔" اعجاز نے جواب دیا۔

"اب دُوسری بات یہ ہے کہ ضروری نہیں اِن لوگوں کو کامیابی ہو۔ فوجی حکومت کے مقابلے میں کامیابی کی امید رکھنا بیکار ہے مگر کم از کم پریشر تو رہے گا اَور اگر کسی وقت میں جا کر ان ڈیمانڈوں کا کوئی نتیجہ نِکلا تو فائیدہ کِس کو پہنچے گا، بتاؤ؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کِسانوں کو۔"

"واہ بھولے بادشاہ! بے زمین کِسانوں اَور کھیت مزدُوروں کو زمین دے کر حکومت نے اراضی خراب کرنی ہے؟ پھر ایوب خان ملک میں انڈسٹری لگانا چاہتا ہے، وہ کون لگائے گا؟ اِس بات کو سمجھو اعجاز! اِس ساری کارروائی کا فائیدہ ہمیں اَور تُمہیں ہو گا، ہمیں اَور تُمہیں۔ نہ تُو سابقہ فوجی نہ میں نہ تیرا چاچا احمد جس بچارے کی زمین بارانی ہو گئی ہے۔ ہم بارڈر سے چند میل کے فاصلے پر ضرور ہیں مگر مقامی زمیندار ہیں۔ بتا کہ ان زمینوں پر حق ہمارا تُمہارا ہے یا کہ کیمبل پُور کے کسی حوالدار کا؟ فرض کرو کہ بے زمینوں کو زمین مِل بھی گئی تو ان کے پاس کاشت کے لِئے پیسے کدھر سے آئیں گے؟ ان کو پھر ہمارے تُمہارے پاس ہی آنا پڑے گا۔ اب مطلب کی بات یہ ہے کہ اِن لوگوں کو اپنا کام کرنے دو، پھل آگیا تو ہم کھائیں گے، نہ آیا تو ہمارا کیا جاتا ہے؟ سمجھ آگئی؟ یہ ہے نکتے کی بات! یہ سیاست کا دِل ہے، دِل۔ لوگوں سے وہ کام لو جس کام کے وہ اہل ہیں۔ ان کو لیڈ کرو۔ تیری طرف سے ہمیشہ مجُھے تعاون حاصل ہوا ہے۔ اسی لِئے میرے دِل میں تیری قدر ہے۔ میں چاہتا ہُوں کہ نوکری تو تُو گنوا ہی بیٹھا ہے، اب اَپنی تعلیم تو نہ گنوا۔ احتیاط سے قدم اُٹھا اَور اِن لوگوں سے اپنا رسُوخ بنا۔ ملک کی حالت غیر یقینی ہے۔ کسی کو پتا نہیں کیا ہونے والا ہے۔ پاور جس طرف سے بھی ملے حاصل کرنی چاہئے۔ اوئے بھتے۔۔۔" جہانگیر نے نوکر کو آواز دی۔ "جا اَندر سے ملک اعجاز کے واسطے کھانا لگوا کے لا۔"

اعجاز جلدی سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ "میں روٹی کھا کر آیا ہوں، اب چلتا ہُوں۔"

"میری باتوں پر غور کرنا۔" دروازے پر رُخصت کرتے وقت جہانگیر نے اعجاز سے کہا۔ "اپنا خاص آدمی سمجھ کر مَیں نے تجُھے یہ باتیں بتائی ہیں۔ اَور آتے جاتے رہا کرو۔ اَور ہاں، ایک دُوسری بات یاد آگئی ہے، آپس کی بات ہے، طریقے طریقے سے بشیرے ارائیں اَور احمد علی کو وارن کر دینا کہ بھتے والوں سے محتاط رہیں، لڑکے مُنہ زور ہیں۔ سمجھ گئے نا؟"

اعجاز اِس سے مصافحہ کر کے رُخصت ہُوا۔

اعجاز نے اگرچہ صِرف ایف اے تک تعلیم حاصل کی تھی۔ مگر حالات سے دلچسپی